اردو ہندی لسانی تنازعہ اور مہاتما گاندھی

ڈاکٹر محمد نہال افروز، شعبۂ اردو
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

اردو اور ہندی زبان کا رشتہ زمانۂ قدیم سے ہے۔ دونوں ہی ہند آریائی زبانیں ہیں۔ ہند آریائی زبان اصلاً آریہ کی زبان ہے۔ آریہ کون تھے؟ کہاں سے آئے تھے اور ان کا اصل وطن کہاں تھا؟ ان سوالوں پر ابھی تشفی بخش تحقیق نہیں ہو پائی ہے۔ باجود اس کے لسانیات کے محققین کی ایک بڑی تعداد اس بات سے اتفاق کرتی ہے کہ آریہ وسطی ایشا کے باشندے تھے۔ یہ لوگ وہاں سے نقل مقانی کر کے ترکی ہوتے ہوئے ایران پہنچے۔ آریہ وہاں پر تقریباً پانچ سو سال تک رہے۔ ایک لمبے عرصے تک ایران میں رہنے کی وجہ سے آریوں کی زبان پر فارسی کا غلبہ ہو گیا۔ آریہ وہاں سے نکل کر ہندوستان کے مغربی خطے یعنی کے پنجاب اور اس کے آس پاس کے علاقے میں پناہ گزیں ہوئے۔ وہاں سے یہ لوگ دھیرے دھیرے پورے شمالی ہندوستان میں پھیل گئے۔ آریہ جب ہندوستان میں داخل ہوئے تو ان کی زبان پر فارسی کا بہت گہرا اثر تھا۔ ہندوستان آنے پر ان کی زبان ایک نئی شکل اختیار کر لی، جو آگے چل کر ''سنسکرت'' کہلائی۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی فارسی اور سنسکرت کے بہت سے الفاظ تلفظ اور معنی کے اعتبار سے تقریباً یکساں ہیں۔ ان میں صرف اور صرف رسم الخط کا فرق ہے۔ انہیں زبانوں کے بطن سے اردو پیدا ہوئی۔ ماہر لسانیات مرزا خلیل احمد بیگ کے مطابق ہند آریائی زبان، جو دور قدیم میں سنسکرت تھی وہی دور جدید میں اردو ہے۔ وہ سنسکرت اور اردو زبان کے متعلق لکھتے ہیں:

''تاریخی اور نسلی اعتبار سے اردو سرزمین ہند کی اس قدیم زبان کا تسلسل یا

توسیع ہے، جسے آریوں کی ابتدائی تہذیب نے جنم دیا تھا اور جسے ''سنسکرت'' کہتے ہیں۔سنسکرت ایک قدیم ہندوستانی زبان تھی،اردو ایک جدید ہندوستانی زبان ہے۔ دونوں کا تعلق ہندآریائی نسل سے ہے۔دونوں کا تاریخی ارتقا شمالی ہندوستان کے سماجی اور تہذیبی تناظر میں ہوا،لیکن دونوں میں تقریباً ڈھائی ہزار سال کا زمانی فاصلہ ہے۔''1

مرزا خلیل احمد بیگ کے درج بالا اقتباس سے یہ بات تو صاف ہو جاتی ہے کہ قدیم سنسکرت زبان ہی جدید اردو زبان ہے،لیکن ان کے درمیان میں تقریباً ڈھائی ہزار سال کا زمانی فاصلہ ہے۔ یہاں پر ہندی زبان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔اس صورت حال میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہندی ایک الگ زبان ہے یا پھر ان ڈھائی ہزار سال میں قدیم سنسکرت زبان اور جدید اردو زبان کے درمیان ہندی زبان کا بھی جنم ہوا یا پھر اس درمیان میں ان زبانوں کو کسی اور نام سے موسوم کیا جاتا رہا ہے؟

جہاں تک اردو اور ہندی کا سوال ہے دونوں زبان کی مورث اعلیٰ کھڑی بولی ہے۔ آریہ جب ہندوستان آئے تو وہ انڈک زبان بولتے تھے۔انڈک زبان جب یہاں کی مقامی زبان سے ملی تو دونوں کے اشتراک سے پراکرت کا جنم ہوا۔یہی زبان آگے چل کر اپ بھرنش کی شکل اختیار کر لی۔دسویں صدی میں جب مسلمان ہندوستان آئے تو یہاں کی تہذیبی اور لسانی سطح پر بھی کافی تبدلیاں ہوئیں۔مسلمانوں کے آنے سے عربی، فارسی اور ترکی زبان کے بہت سے الفاظ اپ بھرنش میں شامل ہو گئے۔ان دونوں کے اشتراک سے جو نئی زبان سامنے آئی اسے ریختہ کے نام سے منسوب کیا گیا۔اس دور میں مغربی ہندوستان میں جو زبان بولی جاتی تھی وہ شورسینی اپ بھرنش کہلاتی تھی۔ یہ زبان کھڑی بولی، ہریانی اور برج کے بہت قریب تھی۔ چنانچہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان لین دین اور روزمرہ میں جو زبان استعمال ہوئی اسے ہندوی کا نام دیا گیا۔ یہی زبان آگے چل کر ''ہندوستانی'' نام سے پہچانی گئی۔سید احتشام حسین اس ''ہندوستانی'' کو

کھڑی بولی کی جدِّ امجد قرار دیتے ہیں اور اردو ہندی کو اس کی دو ادبی شکلیں مانتے ہیں:

''.....پھر بھی کھڑی بولی میں، جو دلی کی بازروں کی زبان تھی، عربی فارسی کے الفاظ داخل ہوتے رہے جس کا استعمال سیاسی اتحاد کے لیے ضروری تھا۔اس کھڑی بولی میں جو تبدیلی ہوئی اس سے وہ زبان بنی جس کو عام طور سے ''ہندوستانی'' کہا جاتا ہے۔اس ہندوستانی کی دو ادبی شکلیں ہیں:

1۔اردو، جس میں عربی، فارسی الفاظ زیادہ ہوتے ہیں اور جسے فارسی رسم الخط میں لکھا جاتا ہے اور

2۔ ہندی، جس میں سنسکرت الفاظ کا استعمال ہوتا ہے اور جسے دیوناگری میں لکھتے ہیں۔

یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ کھڑی بولی کی یہ شکل پہلے اردو ہی کی صورت میں نکھری اور جس نے بھی ہندوستانی کو ادبی مقام میں لانا چاہا اس نے اردو ہی کو اپنایا۔.....''2؎

سید احتشام حسین کی اس بات سے بالکل اتفاق کیا جا سکتا ہے کہ ''جس نے بھی ہندوستانی کو ادبی مقام میں لانا چاہا اس نے اردو ہی کو اپنایا۔'' اس کی واضح مثال اس دور کی تخلیقات ہیں۔اردو اور ہندی دونوں زبان میں یہ خصوصیات موجود ہیں، جو نہ صرف یہ کہ سنسکرت الفاظ پر مشتمل ہے بلکہ عربی اور فارسی الفاظ مشترکہ طور پر اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔مثال کے طور پر ''بکٹ کہانی''، ''کربل کتھا''، ''قصۂ مہر افروز و دلبر''، ''عاشور نامہ''، ''من لگن''، ''ارشاد نامہ''، ''پھول بن'' اور ''سب رس'' جیسی تخلیقات پیش کی جا سکتی ہیں۔ان تخلیقات میں نہ صرف سنسکرت کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں بلکہ عربی اور فارسی کے الفاظ بھی کثرت سے استعمال ہوئے ہیں۔ اصل میں یہی ''ہندوستانی'' ہے۔یعنی کہ قدیم زمانے میں جسے ہندی، ہندوی، ریختہ، گجری وغیرہ کہتے تھے اسی کو ہندوستانی نام دیا گیا۔واضح رہے کہ یہ تمام تخلیقات عربی رسم الخط میں لکھی گئی ہیں۔

ہندوستان میں انگریزوں کی آمد سے نہ صرف یہاں سماجی، سیاسی اور مذہبی تعصّبات پیدا ہوئے بلکہ انہوں نے ہندوستانی زبان کا بھی بٹوارا کر دیا۔ دراصل انگریز حکمراں اس بات سے اچھی طرح واقف تھے کہ اگر ہندوستان پر لمبے عرصے تک حکومت کرنا ہے تو یہاں کی عوام کو نہ صرف یہ کہ مذہب، نسل، ذات پات اور علاقائی سطح پر بانٹنا ہوگا بلکہ ان کے درمیان لسانی تنازعہ بھی پیدا کرنا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں 'پھوٹ ڈالو اور راج کرو' (David and Rule) کے تحت ہندوستانی عوام کو ایک دوسرے سے بالکل الگ کر کے رکھ دیا۔ اردو ہندی لسانی تنازعہ سب سے پہلے فورٹ ولیم کالج سے شروع ہوا۔ یہ وہ ہندی نہیں تھی، جو پہلے کی ہندی، ہندوی، ریختہ، گجری وغیرہ ناموں سے جانی جاتی تھی اور یہ عربی فارسی کے بہت قریب تھی۔ ان تمام ناموں سے جانی پہچانی جانے والی زبان کا رسم الخط عربی تھا۔ فورٹ ولیم کالج میں پیدا ہونے والی نئی ہندی زبان سنسکرت سے بہت قریب تھی اور اس کا رسم الخط دیوناگری تھا۔ للولال جی کے مطابق فورٹ ولیم کالج کے قیام سے پہلے ہندی نام کی کوئی زبان نہیں ملتی اور نہ ہی اس نئی ہندی زبان میں تصنیف و تالیف کا کوئی نمونہ بھی موجود تھا۔ اس بحث کو آگے بڑھانے سے قبل میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ پنڈت کرشن پرساد کنول کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو، جو انہوں نے فورٹ ولیم کالج میں پیدا ہونے والی نئی ہندی زبان کے متعلق رقمطراز ہیں:

> ''فورٹ ویلیم کالج میں پہلے نئی ہندی کی بنیاد اس طرح ڈلوائی کہ للولال جی سے 'پریم ساگر' ایسی زبان میں لکھوائی جس کا تعلق اردو ہی سے تھا نہ برج بھاشا سے، بلکہ کھڑی بولی اور ہندوستانی سے تھا۔ فرق یوں پیدا کیا گیا کہ اس میں سنسکرت کے الفاظ کثرت سے داخل کیے گئے اور یہ قرار دیا گیا، جس زبان میں فارسی اور عربی الفاظ کثرت سے ہوں وہ اردو ہے اور مسلمانوں کی زبان ہے۔..... 1857 کی غدر کے بعد اس نئی ہندی میں کتابیں لکھی جانی شروع ہوئیں اور جیوں جیوں ہندوستان میں قومی اور سیاسی

اختلاف بڑھتا گیا، نئی ہندی اس جوش میں ابھرتی گئی۔ فارسی اور عربی کے
وہ الفاظ جو زبان کے روزمرہ میں داخل ہو گئے تھے، نکالے جانے لگے اور
ان کی جگہ سنسکرت کے بھاری بھاری الفاظ داخل کیے جانے لگے۔''3

انگریز قوم یہ اچھی طرح جانتی تھی کہ مسلمانوں کی مذہبی کتاب عربی زبان میں ہے اور ہندوؤں کی مذہبی کتاب سنسکرت زبان میں ہے۔اس بات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے اس اردو ہندی لسانی تنازعے کو ہندو مسلم مذہب سے جوڑ دیا۔انہوں نے اردو کو عربی فارسی کے قریب ہونے کی وجہ سے اردو کو مسلمانوں کی زبان اور ہندی کو سنسکرت کے قریب ہونے کے سبب ہندوؤں کی زبان قرار دے دیا۔انگریزوں نے اتنا ہی نہیں کیا بلکہ انہوں اپنی حکومت کو مستحکم اور مضبوط کرنے کے لیے نئی ہندی زبان پیدا کر کے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان اردو ہندی کے نام پر تفریق پیدا کر دی اور ایک دوسرے کے دلوں میں نفرت بھر دی۔آخر کار وہی ہوا جس کا خواب انگریز حکمراں دیکھ رہے تھے۔مسلمان عربی فارسی کے قریب ہونے کی وجہ سے اردو زبان کی طرف رخ کیے اور ہندو سنسکرت کے قریب ہونے کے سبب ہندی کی طرف جھک گئے۔انگریزوں کی حکومت سے پہلے ہندوستان میں بالخصوص ادب میں نہ تو ہندو مذہب کا کوئی ذکر ملتا ہے اور نہ ہی نئی ہندی زبان کا کوئی نمونہ ہی ملتا ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو ہندو اور ہندی زبان کے متعلق رقمطراز ہیں:

''ہمارے قدیم ادب میں 'ہندو' کا لفظ کہیں بھی نہیں آیا۔دریائے سندھ کا
پرانا نام سندھو ہے اور یہ لفظ اسی سے نکلا ہے۔اسی لفظ سندھو سے آگے چل
کر ہندو اور ہندوستان انڈس اور انڈیا کے الفاظ بنے۔ ہندو کے لفظ کو ایک
خاص مذہب کے لیے استعمال کرنے کا رواج بہت بعد میں ہوا۔''4

1857 کے بعد ادب میں لفظ ہندو اور ہندی کا رواج عام ہوا۔دھیرے دھیرے یہ دونوں الفاظ مذہب اور قومیت سے جڑ گئے۔انگریزوں کے ذریعے بویا گیا یہ تنازعہ مذہبی اور نسلی اعتبار ہی

سے نہیں بلکہ لسانی اعتبار سے بھی اپنی جڑیں مضبوط کرنے لگے۔انیسویں صدی میں 'ناگری پرچارنی سبھا' نے بھی اس اردو ہندی لسانی تنازعے کو ہوا دی اور یہ بہت جلد ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی۔اس تنازعے کے متعلق مرزا خلیل احمد بیگ لکھتے ہیں:

> ''اس لسانی اشتراک اور لسانی علیحدگی پسندی کو انیسویں صدی کی ہندو احیا پرست تنظیم 'ناگری پرچارنی سبھا' نے خوب ہوا دی، چنانچہ اس نے بہت جلد ایک تحریک اختیار کر لی۔ ہندی تحریک کو جارحانہ انداز سے چلایا گیا اور اسے مذہب اور قومیت سے جوڑ دیا گیا۔1885 کے آس پاس ہندی کے پر جوش حامیوں کے ذریعے دیا گیا یہ نعرہ اسی رجحان کی عکاسی کرتا ہے۔'جیو منتر ایک زبان، ہندی، ہندو، ہندوستان'۔''5

اس ہندی تحریک اور ''جیو منتر ایک زبان، ہندی، ہندو، ہندوستان'' کے نعرے سے اردو ہندی لسانی تنازعہ اپنے عروض پر پہنچ گیا۔اس تنازعے کو فروغ دینے میں انگریزوں کے ساتھ ساتھ اردو ہندی کے ادیب،شاعر،صحافی اور سیاست داں وغیرہ بھی شامل تھے۔ان میں سب سے پہلا نام ہندی کا بابا آدم، ہندی ادب کے معروف مورخ اور ''ہندی ادب کی تاریخ'' کے مصنف بھارتندو ہریش چندر کا ہے۔ بھارتندو ہریش چندر کی اردو زبان سے ان کی ذاتی دشمنی تھی۔مورخین لکھتے ہیں کہ بھارتندو ہریش چند ر اردو میں لکھتے تھے اور اسی زبان میں شاعری بھی کرتے تھے۔شاعری میں وہ اپنا تخلص رسؔا اختیار کرتے تھے،لیکن اردو والوں نے ان کی شاعری کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی اور نہ ہی ان کی شاعری کو اردو میں وہ اہمیت ملی جو اس وقت دوسرے اردو شعرا کو ملی تھی۔اس بات سے وہ بہت سخت ناراض ہوئے اور اردو ہی کو اپنا دشمن سمجھ بیٹھے۔اس بات کا ذکر آفتاب احمد آفاقی نے اپنے ایک مضمون ''اردو ہندی اور مہاتما گاندھی'' میں بھی کیا ہے۔ بھارتندو ہریش چندر کی اردو سے ذاتی دشمنی کا انگریزوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ان کو اردو اور مسلمانوں کے خلاف ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔اسی درمیان انہوں نے ایک مضمون

''بھارت کی اُنتی کیسے ہوسکتی ہے'' کے عنوان سے لکھا، جس میں انہوں نے اردو کو مسلمانوں کی لائی ہوئی ایک بیرونی اور غیر ملکی زبان قرار دیا ہے، جس سے اردو ہندی کا لسانی تنازعہ اور بھی بڑھ گیا۔

دوسری طرف مولوی عبدالحق اور ڈاکٹر تیج بہادر سپرو نے اردو کو ہندی کی ترقی یافتہ شکل قرار دیا، جس سے مسلمانوں میں پڑھے لوگوں کا ایک طبقہ ہندی سے چڑھنے لگا۔ نتیجتاً جب بھی اردو ہندی کی مشترکہ زبان کی بات ہوتی تھی ہندو اور مسلمان کے درمیان تنازعہ کھڑا ہو جاتا تھا۔ آفتاب احمد آفاقی لکھتے ہیں:

> ''اردو ہندی تنازعے میں صرف سیاست دانوں ہی نے نہیں بلکہ اس دور کے بہت سے صحافی، شاعر و ادیب، زبان و ادب کے مورخین اور ماہرین لسانیات نے بھی حصہ لیا۔ ان میں ایک طرف رام چند شکل، جنہوں نے ہندی ادب کی نہایت عالمانہ تاریخ لکھی ہے، ان کے نزدیک اردو کھڑی بولی کی کریتم روپ ہے اس کا اصلی روپ ہندی ہے۔ دوسری طرف ڈاکٹر دھریندر ورما اور امرناتھ جھا ہیں جن کے نزدیک اردو کی تمام فضا بدیسی ہے۔ دوسری طرف مولوی عبدالحق اور ڈاکٹر تیج بہادر سپرو نے اردو کو ہندی کی ترقی یافتہ شکل قرار دیا۔ اس حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں کہ مسلمانوں میں پڑھے لکھے لوگوں کا ایک طبقہ وہ بھی تھا جسے ہندی کے نام سے چڑھ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی مشترکہ قومی زبان کا سوال اٹھتا اردو ہندی کا جھگڑا کھڑا ہو جاتا تھا۔''6

درج بالا اقتباس میں کہیں گئی باتیں آفتاب احمد آفاقی کی اپنی نہیں ہیں۔ ان تمام باتوں کا ذکر سجاد ظہیر نے اپنے ایک مضمون ''اردو، ہندی، ہندوستانی'' میں بہت تفصیل سے کی ہے۔ اپنے بات کی تائید کے لیے یہاں پر سجاد ظہیر کے مضمون کا اقتباس پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں:

''مثلاً آں جہانی پنڈت رام چندر شکل جنہوں نے ہندی ادب کی نہایت عالمانہ تاریخ لکھی ہے اردو کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ کھڑی بولی کا ''کرترم روپ'' یعنی بگڑا ہوا نقلی روپ ہے۔اس کا اصلی روپ ہندی ہے۔.....

پنڈت امرناتھ جھا، وائس چانسلر، الہ آباد یونیورسٹی فرماتے ہیں:

''اردو کی تمام تر فضا اور روح بدیسی ہے ہندوستانی نہیں۔''.....

مولوی عبدالحق کا فرمان ہے کہ:

''اردو، ہندی کی ترقی یافتہ شکل ہے۔''

آپ کے نزدیک جدید ہندی، ہندو تعصب اور فرقہ پرستی کی وجہ سے وجود میں آئی ہے۔ ڈاکٹر تیج بہادر سپرو بھی ہندی کے متعلق کچھ ایسی ہی رائے رکھتے ہیں۔

یہ بھی واقعہ ہے کہ پڑھے لکھے---لوگوں کا ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جسے ہندی کے نام سے چڑھ ہے۔

جب ہندوستان کی ایک مشترکہ زبان کا سوال اٹھتا ہے تو اردو، ہندی کا جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔''7

اردو اور ہندی کے حامی دونوں زبانوں کے متعلق اپنی اپنی رائے دینے لگے۔ اردو کے حامیوں نے اردو کو قومی زبان بنانے کا خواب دیکھنے لگے اور ہندی والوں نے ہندی کو راشٹر بھاشا بنانے کا دم بھرنے لگے۔ نتیجتاً اردو ہندی کا لسانی تنازعہ بڑھتا گیا۔

مہاتما گاندھی ہندو مسلم اتحاد کے علمبردار تھے۔ انہوں نے انگریزوں کی 'پھوٹ ڈالو اور راج کرو' حکمت عملی کے خلاف آواز بلند کی۔ مہاتما گاندھی نظر بیں شخصیت کے مالک تھے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ملک کو آزاد کرانے کے لیے ہندستانی عوام کے درمیان میں مذہبی، نسلی اور

علاقائی اتحاد قائم کرنے کے ساتھ ساتھ اردو اور ہندی لسانی تنازعے کو بھی ختم کرنا ہوگا۔ چنانچہ مہاتما گاندھی نے اردو اور ہندی کو مشترک کر کے درمیانی صورت ''ہندوستانی'' کی شکل نکالی۔ انہوں نے ہندوستانی کی مثال کے طور پر مولانا حالؔی کی دو نظم ''مناجات بیوہ'' اور ''چپ کی داد'' کو پیش کیا۔ وہ علامہ اقبالؔ کے ترانۂ ہندی ''سارے جہاں سے اچھا.....'' کو بھی بطور ہندوستانی کے پیش کیا۔ اس نظریے کے تحت گاندھی جی کا مقصد اردو اور ہندی دونوں کو فروغ دینا تھا تا کہ ہندوستان کی لسانی یکجہتی قائم رہے اور اردو ہندی کا لسانی تنازعے کو ختم کیا جا سکے۔ مہاتما گاندھی کے ذریعے پیش کیے گئے ہندوستانی نظریے کے متعلق غازی علم الدین لکھتے ہیں:

> ''اردو ہندی تنازع کی شدت کے پیش نظر مہاتما گاندھی نے اس مسئلے کے سیاسی حل کے طور پر جب 'ہندوستانی' کا نام پیش کیا تو کچھ مسلم عمائدین بھی حکمتِ عملی بدلتے ہوئے اس حل کو قبول کرنے کی بابت سوچنے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ نام اس لیے بھی قابلِ قبول ہے کہ اس لفظ سے تمام ملک کی وسعت کے تعلق کا اظہار ہوتا ہے۔ اردو 'ہندوستانی' بن کر ملک کی عام زبان ہوگئی تو لسانی تنازع ہمیشہ کے لیے ختم ہوسکتا ہے۔''8

مہاتما گاندھی نے جب اردو اور ہندی زبان کو مشترک کر کے 'ہندوستانی' کا نام پیش کیا تو بہت سے لوگوں کو یہ پسند نہیں آیا۔ خود گاندھی جی کو ماننے والے ہی دو الگ الگ گروہ میں بٹ گئے۔ ایک گروہ جو ہندی کی حمایت کر رہا تھا ان کا کہنا تھا کہ ''ہمیں ڈر ہے کہ ہندوستانی کا مبہم نام دے کر کہیں اردو نہ ٹھونس دی جائے۔'' دوسرا گروہ جو اردو کا حامی تھا وہ کہنے لگا کہ 'ہندوستانی' کے نام پر کہیں ہندی کا پرچار نہ شروع ہو جائے۔'' ان دونوں باتوں کا ذکر سجاد ظہیر نے اپنے مضمون ''اردو، ہندی، ہندوستانی'' میں کیا ہے۔ اس صورت حال میں مہاتما گاندھی 'ہندستانیو' کو ہندوستانیوں کو اچھی طرح سمجھانے کے لیے اپنے ایک مضمون ''ہندی بنام اردو'' میں مندرجہ ذیل باتو کا ذکر کرتے ہیں:

''1۔ ہندی، ہندوستانی اور اردو کے لفظ ایک ہی زبان کا پتہ دیتے ہیں جو شمالی ہندوستان کے ہندو اور مسلمان بولتے تھے۔

2۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایسی بھاشا بولنی چاہیے جسے شمالی ہند میں زیادہ تر لوگ سمجھتے ہیں۔

3۔ ہندوستانی کو مذہبی بھید بھاؤ سے الگ رہنا چاہیے۔

4۔ ہندوستانی کو کسی بھی فرقے کی مذہبی روایات سے وابستہ نہیں تصور کیا جائے گا۔

5۔ کسی بھی الفاظ کو جو اردو کے ہندی ادیب اور ہندی کے مسلمان ادیب استعمال کرتے ہیں مروج تصور کیا جائے گا، لیکن اس کا اطلاق اردو ہندی زبانوں کی مخصوص شکلوں پر نہیں ہوگی۔

6۔ تکنیکی اصطلاحوں، خاص طور سے سیاسی اصطلاح کا انتخاب کرتے وقت نئی سنسکرت اصطلاحوں کو ترجیح نہیں دی جانی چاہیے بلکہ ممکنہ حد تک اس بات کی کوشش کی جانی چاہیے کہ اور، ہندی اور سنسکرت کی قدرتی اور رائج اصطلاحات کو بروئے کار لایا جائے۔

7۔ دیوناگری اور عربی دونوں رسم الخط کو مروج اور سرکاری تصور کیا جانا چاہیے نیز یہ کہ ان تمام اداروں میں جس کی پالسی ہندوستانی کو فروغ دینے والے سرکاری حلقے طے کریں گے۔ دونوں رسمِ خط سیکھنے کی سہولیات مہیا ہونی چاہیے۔''9

اتنا ہی نہیں مہاتما گاندھی نے اردو اور ہندی زبان کے مسئلے پر متعدد مضامین بھی لکھے ہیں، جس میں انہوں نے اور اور ہندی کے مقابلے ہندوستانی کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ انہوں نے اردو اور ہندی کو قومی یا راشٹری بھاشا کی جگہ 'ہندوستانی' کو قومی زبان بنانے کی منظوری دی تھی۔ اس

کے ساتھ ہی دکن میں مولوی عبدالحق 'ہندوستانی' کی پرزور حمایت کر رہے تھے۔انہوں نے مدراس کے مسلم یوتھ کانفرنس کی صدارتی تقریر میں کہا کہ ''اردو یعنی ہندوستانی، ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتحاد کا عظیم الشان نتیجہ ہے۔''اس کے علاوہ مولوی عبدالحق نے عثمانیہ یونیورسٹی میں ہندوستانی میں بہت کام کر رہے تھے۔انہوں نے سائنس، ریاضی،طب اور دوسری اہم کتابیں اردو یعنی کہ ہندوستانی زبان میں تیار کروائی۔مہاتما گاندھی کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں مولوی عبدالحق کے اس کام کی نہ صرف ستائش کی بلکہ ہندوستانیوں کو یہ پیغام بھی دیا کہ ان کے اس کام سے ہر کسی کو فائدہ اٹھانا چاہیے۔وہ لکھتے ہیں:

> ''میرے پاس جو کچھ حالات آئے ہیں ان سے تو ایسا معلوم پڑتا ہے کہ مولوی عبدالحق صاحب کے زیر اہتمام عثمانیہ یونیورسٹی اردو کی بڑی سیوا کر رہی ہے۔اس یونیورسٹی میں اردو کا ایک بڑا خزانہ ہے۔سائنس کی کتابیں بھی اردو میں تیار کی جارہی ہیں اور چوں کہ اس یونیورسٹی میں ایمانداری کے ساتھ اردو کی تعلیم دی جارہی ہے اس لیے اس کی ترقی ہونی چاہیے۔ بلاوجہ کسی تعصب کی وجہ سے اگر آج ہندی بولنے والے ہندو وہاں کے بڑھتے ہوئے ساہتیہ سے فائدہ نہ اٹھائیں تو یہ ان کا قصور ہے۔''10

مولوی عبدالحق ہندوستانی کے نام پر اردو کو فروغ دے رہے تھے جب کہ مہاتما گاندھی کے نزدیک ہندوستانی کے تحت اردو اور ہندی دونوں کا تحفظ شامل تھا۔یہ وہی ہندوستانی تھی،جس کا ذکر احتشام حسین نے اپنی کتاب ''اردو ادب کی تنقیدی تاریخ'' میں کیا ہے۔ان کا ماننا ہے کہ اردو،جس میں عربی، فارسی الفاظ زیادہ ہوتے ہیں اور جسے فارسی رسم الخط میں لکھا جاتا ہے اور ہندی،جس میں سنسکرت الفاظ کا استعمال ہوتا ہے اور جسے دیوناگری میں لکھتے ہیں۔گاندھی جی کا کہنا تھا کہ ہندوستانی کو عربی اور دیوناگری دونوں رسم الخط میں لکھا جائے،جس سے اردو اور ہندی دونوں زبانیں محفوظ رہیں گی اور ہندی اردو کا لسانی تنازعہ بھی بہت حد تک کم ختم ہو جائے

گا۔ پروفیسر عبدالستار دلوی نے یکم اپریل 2018 کو غازی علم الدین کو ایک خط لکھا۔ اس میں انہوں نے مہاتما گاندھی کے نظریۂ 'ہندوستانی'' کو پیش کیا۔ وہ لکھتے ہیں:

''میں نے اس سے قبل گاندھی جی کے نظریۂ 'ہندوستانی' کے بارے میں اپنے خیالات لکھ بھیجے تھے۔ اس سلسلے میں یہ بات محلِ نظر رہنی چاہیے کہ گاندھی جی کے نظریۂ 'ہندوستانی' کے تحت اردو اور ہندی دونوں کا تحفظ شامل ہے۔ وہ ہندوستانی سیاست کے وسیع النظر رہنما تھے۔''1؎

ان تمام باتوں کی روشنی میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ گاندھی جی ہمیشہ سے اردو اور ہندی کا لسانی تنازعہ ختم کرنے کی بات کرتے رہے، لیکن اردو ہندی کا لسانی تنازعہ نہ اس وقت ختم ہوا تھا اور نہ ہی آج ختم ہوا ہے، بلکہ دورِ حاضر میں یہ تنازعہ اور بھی زیادہ بڑھ گیا ہے۔ مہاتما گاندھی کی ''ہندوستانی'' کی تجویز گھٹیا سیاست کی بھینٹ چڑھ گئی اور اردو زبان کو کسی خاص طبقے سے جوڑ دیا گیا۔ لیکن غور کرنے بات یہ ہے کہ کیا واقعی اردو کسی خاص طبقے کی زبان بن کر رہ گئی ہے؟ ایسا نہیں ہے۔ اردو آج بھی ہر ہندوستانی کی زبان ہے۔ وہ ہندی کے نام پر اردو ہی بولتے اور سمجھتے ہیں۔ آج کی ہندی فلموں، اخباروں اور نیوز چینلوں میں زیادہ تر اردو الفاظ کا استعمال ہوتا ہے، جسے ہم ہندی کہتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہندی کہانیوں میں بھی زیادہ تر اردو ہی کے الفاظ استعمال ہو رہے ہیں۔ یعنی کہ یہ وہی 'ہندوستانی' ہے، جس کی تجویز مہاتما گاندھی نے کی تھی اور یہی آج کے ہندوستانیوں کی بول چال کی ہی کی نہیں بلکہ ادبی زبان بھی ہے۔ المختصر یہ کہ آج جو اردو ہندی کا لسانی تنازعہ ہے وہ زبان کا نہیں بلکہ رسم الخط کا ہے۔

☆☆☆

حوالہ جات:

1؎ مرزا خلیل احمد بیگ، اردو زبان کی تاریخ، ص 402

2؎ سید احتشام حسین، اردو ادب کی تنقیدی تاریخ، ص 16

3۔ پنڈت کرشن پرساد کنول،مشمولہ:آفتاب احمد آفاقی، رسالہ جہانِ اردو، ریسرچ جرنل ،شمارہ76،ص21

4۔ جواہرلال نہرو،تلاش ہند،جلداول،ص132

5۔ مرزا خلیل احمد بیگ،ایک بھاشا جو مسترد کردی گئی،ص78

6۔ آفتاب احمد آفاقی،رسالہ جہانِ اردو،ریسرچ جرنل،شمارہ76،ص24

7۔ سجاد ظہیر،مشمولہ:مرزا خلیل احمد بیگ،اردو زبان کی تاریخ،ص307-306

8۔ غازی علم الدین،اردو،ہندی اور ہندوستانی،پروفیسر عبدالستار دلوی کا نقطۂ نظر،رسالہ قومی زبان،کراچی،دسمبر2019،ص35

9۔ مہاتما گاندھی،مشمولہ:آفتاب احمد آفاقی،رسالہ جہانِ اردو، ریسرچ جرنل ،شمارہ76،ص29-28

10۔ مہاتما گاندھی،ہریجن سیوک،29/اکتوبر1938

11۔ غازی علم الدین،اردو،ہندی اور ہندوستانی،پروفیسر عبدالستار دلوی کا نقطۂ نظر،رسالہ قومی زبان،کراچی،دسمبر2019،ص38